سمیرا حمید

خسارہ

رات کی رم زدہ (وحشت ناک) جھولی میں دیو قامت مجسمۂ نفس کو دو چھاند کر فلک پاش قہقہے لگا رہا تھا۔

رم زدہ شب فلک تا خاک نیم نہلو انسانوں کے چار اطراف رقصاں تھی۔

اتر کر گھوم رہی تھی۔

گھوم کر لپٹ رہی تھی۔

اور بجھ کر بھل کر بھڑک رہی تھی۔

کیونکہ اسی رات عاصو کی چیخ گھر کے کونے کونے میں پھیل کر کائنات کے ذرے ذرے کو گواہ بنا ساتھ لا رہی تھی۔

کیونکہ یہ عاصو ہی تھی جو فیوزہ کی اماں تھی۔

اور یہی عاصو تھی جو صاحب اولاد نہ ہو سکی تھی۔

کیونکہ وہ شادی شدہ نہ ہو سکی تھی۔

عافیہ نے اپنی لاڈلی اکلوتی بیٹی کے منہ سے خون کی ایک پتلی لکیر نکلتے دیکھی تو اس کے اندر ایک دم سے وحشت کا ریلا کوند چھاند کر اسے پیچھے بہت پیچھے کی طرف دھکیلنے لگا۔

جیسے دلدل کا سوتا پھوٹتا ہو۔ جو اتنی آہستگی سے اتنے توازن سے گہرے پاتال میں لے جاتی ہے کہ دھنسنے والے کو خبر ہی نہیں ہوتی کہ وہ اندر ہی اندر دھنس رہا ہے یا دلدل کو اپنے ساتھ لیے اوپر اٹھ رہا ہے۔

فیوزہ مدہوش تھی۔ بے ہوش تھی یا۔۔۔ یا۔۔۔

اس یا کے آگے بہت کچھ تھا۔ اس یا کے پیچھے بھی بہت کچھ تھا۔

اس کی بیٹی آنکھیں نہیں کھول رہی تھی۔ تین بھائیوں کی اکلوتی بہن۔ فیوزہ۔ لیکن تین بیٹوں کی اکلوتی ماں کی آنکھیں کھل سی گئی ہیں۔ اسی بیٹی کی ماما اس کے پیروں کی طرف کھڑی ہے، ساکت، خاموش۔ اسی بیٹی کی اماں جانی اس کے سرہانے بیٹھی باؤلی سی ہو رہی ہے۔

"فیوزہ۔" اس کی اماں جانی نے چیخ ماری۔

"اٹھیں۔ بھابھی! جلدی فون کریں ڈاکٹر کو۔

دیکھیے اسے کیا ہوا ہے، یہ ایسے کیسے، اسے کیا ہوا ہے، بھابھی۔ فیوزہ!" ایک پاگل دوسری پاگل کو جھنجوڑ رہی تھی۔

تیسرا صحیح الدماغ بشران دونوں کو دیکھ رہا تھا۔

خاموش۔ جواب الجواب۔

خون کی ایک لکیر اس کی ناک سے بھی نکل رہی تھی۔

نفس کی ایک لکیر اس کے نفس پر بھی کھنچی تھی۔

فیوزہ کے دماغ کی رو یقیناً "کل رات غلط سمت بھاگی دوڑی ہوگی۔

غلطی کی طرف۔ ناسمجھی کی طرف۔ لاعلمی سے۔

اس کی ماما کی رو بھی بھاگی دوڑی تھی۔ غلطی۔ غلط۔ گناہ کی طرف۔

"فیوزہ!" ماں اس کا سر گود میں رکھ کر اسے چوم رہی تھی، اسے مار رہی تھی، اس کے کانوں کے پاس چلا رہی تھی۔

"فیوزہ!" ماما جانی، جواب الجواب کھڑی دلدل ہوتی

ذہن میں دھنس دھنس گئی۔ اپنی بیٹی سے نظریں ہٹاتے بچاتے، اس کی نظریں عاصو تک آکر مجسم انجام بن چکی تھیں۔

عافیہ، عاصو پر اپنی نظریں گاڑے اندر ہی اندر دھنس رہی تھی۔ اپنی بیٹی کے سرہانے سے پھوٹتی موت کے پرندے کی پھڑپھڑاہٹ اسے دہلا رہی تھی۔

پر اب دیر ہو گئی تھی۔ اعمال کے پرندے کے پروں پر اس نے سیاہی پھیر دی تھی۔ حضرت انسان ملامتی شیطان کیوں بنا؟ پختہ عمری بن بیاہی عاصو فیوزہ کا سر گود میں رکھے تڑپ رہی ہے۔ اس کی بیٹی اور اپنی بیٹی جیسی فیوزہ کے لیے۔

پختہ عمری کی عاصو کبھی چھوٹی عمر کی فیوزہ تھی۔ جب وہ بتیس سال کی تھی تب۔ جب وہ اس کی اکلوتی بھابھی نہ تھی تب سے پہلے خاص کر۔

وہ گہرے سانولے رنگ کی تھی اور یتیم تھی۔ اپنے بڑے کنبے کا بوجھ اٹھاتے اٹھاتے اس کی اتنی عمر

ہوگئی لیکن شادی نہ ہوئی۔ پھر اس سے آٹھ سال چھوٹے آٹھ جماعتیں پاس گاؤں کے رہائشی کا رشتہ آیا تو شہری نوکری یافتہ لڑکی کو اس کی ماں نے گاؤں کے رہائشی سے بیاہ دیا۔ فرقان دراز قد اور خوب صورت تھا' بس وہ پینڈو تھا۔ سیدھا سادہ تھا اور سیدھی سادی ہی اس کی چھوٹی بہن تھی۔ "عاصو"

ان کی ماں عاصو کی پیدائش سے فوت ہوئی تھیں اور باپ جب عاصو دس سال کی ہوئی تو۔ فرقان کو ایک گھر سنبھالنے والی چاہیے تھی بس۔ اسے عافیہ کے گہرے سانولے رنگ سے مطلب تھا نہ اس کی عمر سے۔ گاؤں کا گھر بکوا کر عافیہ انہیں شہر لے آئی۔ دونوں کچھ ایسے تھے کہ جو ریڈیو پر سن لیا وہی سچ' جو اخبار میں پڑھ لیا وہ سچ۔ یہ سچ اور سچ ان کے لیے عافیہ بن گئی۔ شہروالی تھی۔ بہت پڑھی لکھی تھی اور عقل مند تو بہت ہی زیادہ تھی۔

فرقان پیٹرول پمپ پر نوکری کرنے لگا اور عافیہ پھر سے آفس جانے لگی۔ گاؤں میں عاصو باقاعدگی سے اسکول جاتی تھی۔ گاؤں چھوڑا تو اسکول بھی چھوڑا۔ عافیہ نے کہا کہ وہ اگلے سال اس کا اسکول میں داخلہ کروادے گی' لیکن اگلے سال کیا کسی بھی سال اس کا داخلہ نہ ہوسکا کیونکہ اس کی بھابھی سچ اور سچ تھی اور وہ بے چاری سی عاصو اگر وہ اسکول جاتی تو گھر کے کام کون کرتا۔ عاصو ہی صبح ان دونوں کو ناشتا بنا کر دیتی تھی۔ برتن' صفائی' دوپہر کا کھانا وہ سب بڑی پھرتی سے کرتی۔ بن ماں کے پلی تھی۔ چودہ سال کی عمر سے ہی اسے سب کرنا آتا تھا۔

عافیہ آفس سے تھکی آتی تو آکر سو جاتی۔ شام میں عاصو سبزی بنا دیتی' دل چاہتا تو عافیہ سالن بنا لیتی ورنہ سالن "آٹا' روٹی" عاصو سب خاموشی سے کیے جاتی۔ اس "سب کرنے میں" اسے اسکول بھیجنے کی غلطی کون کرتا؟

"بھابھی سال گزر گیا؟" وہ آئے دن بڑی آس سے سوال کرتی۔

"نہیں۔" وہ صاف کہتی۔

دونوں گاؤں کے رہائشی سیدھے سادے نہ انہیں ایڈمیشن ٹیسٹ کا پتا تھا نہ شہری اسکولوں کے قواعد وضوابط کا۔

"اسے اسکول داخل کروادو عافیہ!" ایک دن فرقان نے کہا جب بار بار کہنے لگا تو ناچار عافیہ اسے اسکول لے گئی' پرنسپل نے عاصو کے سامنے کہا۔

"ایڈمیشن تو نہیں ہوسکتا۔"

عاصو کو کیا بات سمجھ میں آتی عافیہ نے ہی سمجھائی کہ پرنسپل صاحبہ کہہ رہی ہیں کہ تم گاؤں کے اسکول سے پڑھ کر آئی ہو' تو گاؤں کی پڑھائی یہاں نہیں چلتی۔ انہیں تمہارا ٹیسٹ لینا ہوگا اور وہ ٹیسٹ سال بعد نہیں پورے دو سال بعد ہوگا۔

"دو سال بعد بھابھی۔ دو سال مطلب؟"

"اگلے سے اگلے سال ہوگا ٹیسٹ۔"

"میری تو تین جماعتیں رہ جائیں گی بھابھی۔"

"میں کیا کرسکتی ہوں۔ بس اب یہی ہوتا ہے یہاں۔"

عاصو پھر سے دو سال کے لیے انتظار میں جا پڑی۔ فرقان سے کہہ دیا' پرنسپل نے انگلش میں کچھ سوال جواب کیے تھے' عاصو نے ان کے جواب نہ دیے۔ انہوں نے کہا' فی الحال گھر میں پڑھاؤ اور عاصو سے کچھ نہ پوچھنا۔ اس کا دل چھوٹا ہوگا۔"

فرقان کتابیں لایا کہ عاصو گھر میں رہ کر پڑھ لے۔ چند دنوں بعد عافیہ نے کتابیں اٹھا کر رکھ دیں کہ "چھوٹا جاذب پھاڑ دے گا جب اسکول جاؤ گی تو نکال لینا۔"

عافیہ آفس جاتی رہی۔ وہ جاذب کو سنبھالتی۔ اس کا فیڈر بناتی' اسے کھلاتی' بہلاتی اور تھک کر اس کے ساتھ ہی سو جاتی۔

اگلے سال حمزہ آگیا۔ عاصو کے پاس اب دو بچے ہوگئے۔ عافیہ اپنے میکے والوں کے سامنے فخر سے کہتی۔

"میرے بچے میرے پاس نہیں آتے اور عاصو کے پاس سے نہیں جاتے خیر سے۔ بہت پیار کرتی ہے ان کی پھوپھو جانی ان سے۔ ہے کوئی عاصو جیسی پھوپھی کسی اور کے پاس۔"

عاصو اپنی تعریف سن کر پھولے نہ سماتی۔ خاص کر شہری کھانے کھانے والوں اور ٹانگ پر ٹانگ جما کر بڑے بڑے صوفوں پر بیٹھنے والوں کے سامنے تو اسے لگتا کہ اس کی زندگی کا حاصل وصول ہوگیا۔

وہ اور بھاگ بھاگ کر جاذب اور حمزہ کے کام کرتی۔ ماسی آتی' گھر کی صفائی کر جاتی اور وہ دونوں بچوں کو دیکھتی۔

دو سال گزرے۔ تین بھی گزر گئے۔ درمیان میں جب جب وہ اسکول کا سوال کرتی بھابھی کچھ یوں جواب دیتی اسے۔

"عاصو! یہ سرکاری اسکولوں کے استاد بہت مارتے ہیں۔ میری اماں کے اودھر ساتھ والی خالہ کی نواسی کے بازو کی ہڈی توڑ دی۔ یہ شہر ہے نا' یہاں یہ سب ہوتا ہے' کوئی کسی کو کچھ کہہ نہیں سکتا۔"

"یہ جو اسکول ہوتے ہیں نا گندی سندی زمینوں پر بناتے ہیں۔ خاص کر قبرستانوں کی زمین پر۔ اور یہاں جنوں' چڑیلوں کے سائے ہوتے ہیں۔ ابھی پچھلے ہفتے اخبار میں خبر آئی کہ ایک بچی کی لاش ملی اسکول کے باتھ روم سے۔ ایک بچی چھت سے گر کر اپنی دونوں ٹانگیں تڑوا بیٹھی۔ ایک کا اندھیرے میں کسی بلا نے گلا دبا دیا۔ تڑپ تڑپ کر بچی مر گئی۔ اگلے دن لاش اسکول کے بند گٹر سے ملی۔ میرا تو دل کانپ جاتا ہے یہ سوچ کر کہ تو بھی اسکول جائے گی۔ میرے بس میں ہو تو کبھی اپنی پیاری عاصو کو اسکول نہ جانے دوں۔ یہ شہروں کے اسکول ان سے تو موت اچھی ہے۔"

بے چاری عاصو سہم سہم جاتی۔

فرقان کو یاد آتا تو کہتا۔

"عاصی! تو کیوں نہیں جاتی اسکول۔ کتنی بار کہہ چکا ہوں' اپنی بھابھی کے ساتھ جا اور داخلہ لے لے۔"

وہ صاف کہنے لگی۔

"مجھے نہیں جانا بھائی جان! اسکول۔ نہیں پڑھنا مجھے۔"

نہ وہ گئی نہ وہ پڑھی۔ وہ بڑی ہوتی گئی۔ گھر اور بچے سنبھالتی رہی۔ تین بھتیجوں کی پھوپھو جانی بن گئی۔ چوبیس سال کی ہوگئی۔ فرقان قطر چلا گیا۔ عافیہ نے ہی بھیجا۔ اسے بڑا گھر چاہیے تھا۔ گاڑی لینی تھی اسے۔

☼ ☼ ☼

نفس کی کلائی تھامے کاش کبھی تو انسان ذرا کی ذرا رک کر دیکھے کہ وہ نفس کے ساتھ کس راستے پر بھاگتا چلا جارہا ہے۔

کبھی ایک لمحے کے لیے وہ سر جھکا کر اپنے پیروں کے نشانات پر تو غور کرے کہ وہ کس پاتال کی طرف جارہے ہیں۔

کبھی تو وہ سر اٹھا کر آسمان والے کو دیکھے اور اس کی مانے۔

"ہر انسان گھاٹے کا سودا ہی کرنے والوں میں سے ہے۔"

اس کا سودا۔ "عاصو" بستر پر آہ و بکا کررہی ہے۔ اس کا گھاٹا "عافیہ" وہ بستر پر بے حس ہوتا جارہا ہے۔ اور کبھی تو انسان اپنے "سودے" اور اپنے "گھاٹے" کے بارے میں سوچے۔ کبھی تو۔

وہ آفس جاتی۔ ورنہ سیر سپاٹے کرتی رہتی۔ یہاں جا وہاں جا۔ گھر کی طرف سے مکمل بے فکری۔ اس کی زندگی اب ہی تو سیٹل ہوئی تھی' زندگی سے اب ہی تو اس نے لطف لینا شروع کیا تھا۔ پہلے ذمہ داریاں تھیں اور شادی نہ ہوسکنے کا خوف۔ اب جو ذمہ داریاں تھیں' وہ عاصو کی تھیں۔ اس کے پاس پیسے تھے' اچھے ملبوسات تھے۔ وہ زیورات پہن کر گھنٹوں باتیں کرتی رہتی کافی کا مگ ہاتھ میں لے کر۔ اسے پروا تک نہ ہوتی کہ اس کے بچے سوئے ہیں یا نہیں' انہوں نے کھانا کھایا ہے ٹھیک سے کہ نہیں۔

فرقان کے فون پر فون آتے۔

"کوئی رشتہ دیکھا۔ کوئی رشتہ آیا؟"

"دیکھا تھا۔ عافیہ کو پسند بھی کر گئے۔ لڑکا چڑ سی لگا۔"

"لڑکے کی دکان ہے' اپنی الیکٹرونکس کی۔ لڑکا شراب پیتا ہے۔ کردار بھی بہت خراب ہے۔"

"تو مجھے رشتے کہاں ملتے ہیں اتنی جلدی۔ دیکھ تو رہی ہوں۔ ہزار لوگوں کو کہہ رکھا ہے اور کیا کروں۔"

سال بعد فرقان آیا۔ رشتے والی کو بلایا۔ عافیہ نے اسی رشتے والی کو الگ سے بلایا۔ "کہنا لڑکی بی اے پاس ہے۔"

"لیکن لڑکی کا بھائی تو کہہ رہا ہے کہ یہ چھ' سات پاس ہے۔"

"جو کہا ہے وہ کرو آپا! بس یہی کہہ کر رشتہ دکھانا۔"

آپا بی اے پاس کا کہہ کر پڑھے لکھے خاندان کو لے آئی۔ لڑکی انہیں پسند آگئی۔ بات پکی ہو گئی۔ بعد ازاں انہیں کہیں سے پتا چلا کہ لڑکی پانچ پاس بھی نہیں۔ منگنی ٹوٹ گئی۔ جب منگنی ہوئی تو فرقان واپس چلا گیا کہ واپسی پر شادی ہو گی۔ وہ وہاں اچھے خاندان کو دینے کے لیے جہیز اکٹھا کرتا رہا۔ یہاں رشتے آتے رہے' بنتے گئے' ٹوٹتے گئے۔ کبھی لڑکا جواری نکل آتا۔ کبھی شرابی' کوئی شادی شدہ ہوتا۔ کسی کے چار چھ بچے ہوتے۔

گاہے بگاہے۔ بھابھی عافیہ نند عاصرہ کو پاس بٹھائے گپ شپ کرتی رہتی۔

"میرے بس میں ہوتا تو کبھی شادی نہ کرتی۔ ابھی بھی کہاں کر رہی تھی میری اماں نے زبردستی کر دی۔"

"کیوں بھابھی؟"

"ذلالت ہے عاصی۔ نری ذلالت۔ بددعا ہے عورت کو شادی۔ پنجرہ ہے' جس میں دم گھٹتا ہے' نہ عورت مرتی ہے' نہ جیتی ہے لعنت کا طوق ہے یہ۔"

"ہائے بھابھی! کیوں؟"

"جوتی کی نوک پر رکھتا ہے شوہر۔"

"فرقان بھائی جان تو بہت اچھے ہیں بھابھی!"

"مجھ سے پوچھ' کتنے اچھے ہیں۔ گھر گھٹ اٹھاتے ہی تیرے بھائی نے میرے منہ پر تھوک دیا تھا۔ کہتا' دوزخی' لعنتی چڑیل۔ اور کیا بتاؤں۔ کیا نہیں کہا مجھے۔ ہزار بار دھتکارا ہے مجھے۔ کہتا ہے میں ہوں ہی اسی لائق۔ میرا رنگ۔ میری شکل سب خدا نے ہی بنائی ہے نا عاصی۔ پر ان مردوں کو کون سمجھائے۔ انہیں تو حوریں چاہئیں۔ اسی لیے تو ہر وہ بری عورت کے پیچھے بھاگتے ہیں۔ مجھے تو تیرے لیے ڈر لگتا ہے عاصی! تیری تو آنکھ پر سورج گرہن بھی ہے۔ یہ اتنا بڑا سیاہ دھبہ۔ تیرا شوہر نجانے کیسے کیسے تھوکے گا تجھ پر۔"

عاصی سیاہ دھبے جیسی سیاہ ہو جاتی۔

"فرقان بھائی جان۔ وہ تو ایسے نہیں ہیں بھابھی!"

"وہ بھائی ایسا نہیں۔ باپ ایسا نہیں' پر شوہر ایسا ہی ہے عاصی۔ سارے شوہر ایسے ہی ہوتے ہیں؟"

"سارے بھابھی؟"

"ہاں سارے۔ میری چھوٹی بہن جس کی شادی میں تم بھی گئی تھیں۔ شادی کے پہلے ہی دن شوہر نے چٹیا پکڑ کر سر دیوار سے دے مارا۔ کئی دن ہوش میں نہیں آئی تھی۔ اماں تو بات ہی چھپاتی رہیں۔"

"بھابھی۔ رخشندہ آپی تو اتنی اچھی ہیں۔ اتنی خوب صورت۔"

"یہ مرد ذات ایسی ہی ہوتی ہے۔ اس کے شوہر نے کہا۔ میرے جوتے صاف کرو۔ اس نے صرف اتنا کہا۔ ابھی تھوڑی دیر میں کرتی ہوں۔ کہتا فوراً کیوں نہ کیے۔ اتنا مارا اتنا مارا۔ کہ کیا بتاؤں۔ اور کیا کیا بتاؤں تجھے۔ مجھے تو وحشت ہوتی ہے۔"

وحشت عاصرہ کو بھی ہونے لگتی۔ اس کا دم سا گھٹنے لگتا۔ سالوں سے بھائی کے گھر کی چار دیواری میں ہی رہتی رہی تھی۔ نہ دنیا دیکھی تھی' نہ دنیا داری۔ اس کی چت بھی بھابھی تھی پٹ بھی۔ وہ کیسے راز (پہیلی کہنے والی) بھابھی کی رمز جان جاتی۔

سہم سہم جاتی۔ دہلی دہلی رہتی۔

گاہے بگاہے بھابھی تیر چھوڑتی رہتی۔

"میری کولیگ کی بہن کی شادی ہوئی تھی پچھلے مہینے۔ خدا دشمن کو ایسے دن نہ دکھائے جو اس کی بہن نے دیکھے۔ ہفتے کے اندر اندر طلاق دے دی۔ طلاق سے پہلے کمرہ بند کر کے چمڑے کی بیلٹ سے مارا۔ کہتا تھا بد کردار ہے۔"

"کسی لڑکے کے ساتھ چکر تھا لڑکی کا؟"

"چکر ور کچھ نہیں تھا۔ پانچ وقت کی نمازی تھی تمہاری طرح۔ دنیا کا پاک باز سے پاک باز مرد بھی شک سے پاک نہیں ہوتا عاصی۔ اپنے بھائی کو ہی دیکھ لو۔ جب فون کرتا ہے' ہزار ہزار سوال پوچھتا ہے۔ کہاں میں نہیں جانتی۔ شک کرتا ہے مجھ پر۔ کہاں گئی تھیں۔ کس کے ساتھ تھیں۔ اور اپنے بھائی سے ذکر نہ کرنا۔ مجھے بہت گندی گندی گالیاں دیتا ہے۔ بہت دل دکھتا ہے میرا۔ کاش میں نے شادی نہ کی ہوتی۔ اندر سے تو مر چکی ہوں میں۔"

عاصرہ فون پر بھی اپنے بھائی سے بات کرنے سے کترانے لگی۔

"بھائی کا فون آیا ہے۔ تجھے بلا رہا ہے' بات کر لے۔" سنتے ہی اس کا رنگ سیاہ ہو جاتا۔ فرقان اتنی باتیں کرتا رہتا اور وہ ہوں ہاں کر کے بھاگنے کی کرتی۔ رہ رہ کر یہی خیال ستاتا کہ اس کا بھائی ایسا گندا ہے کہ عافیہ جیسی نمازی بیوی کو گالیاں دیتا ہے۔

نمازی بھابھی نت نئے قصے' کہانیاں اسے سناتی رہتی۔ وہ رات رات بھر نہ سو سکتی۔

"میری دور کی ایک خالہ ہیں۔ ان کی بیٹی کو اس کے شوہر نے جلا ڈالا توبہ! بڑا کرام مچا تھا عاصی۔ کسی چھوٹی سی بات پر میاں' بیوی میں جھگڑا ہو گیا۔ اور اس نے دوپٹے کے بل دے کر پہلے اس کا گلا دبایا' جب مر گئی تو تیل چھڑک کر آگ لگا دی۔ بس کچھ نہ پوچھ۔ عاصی! میں تو دہل گئی۔ بس دعا کرتی ہوں تیری کبھی شادی نہ ہو' اگر میری کوئی بیٹی ہوتی تو قسم سے کبھی اس کی شادی نہ کرتی' مر جاتی مگر اسے اس عذاب میں نہ ڈالتی۔"

اس عذاب میں پھر عاصرہ بھی کیوں جاتی۔

فرقان آیا' پھر سے عاصرہ کے رشتے کے لیے دوڑ دھوپ کرنے لگا۔

"یہ دیکھ تیرے بھائی نے رات مجھے مارا ہے۔" کہیں رات میں وہ غسل خانے میں پھسل گئی تھی۔

"کیوں مارا بھائی نے؟" وہ تنے سرے سے سہم گئی۔

"وہی شک۔ رات کو اپنے بھائی سے فون پر بات کر رہی تھی۔ کہتا ہے کہ کوئی اور تھا۔ میرا سر دیوار پر دے مارا۔"

"بھائی بھی کرتے ہیں شک؟"

"تو تو دلہن ہے۔ تیرا شوہر کرے گا تجھ پر۔ لکھ لے ہائے میرا تو جوڑ جوڑ دکھ رہا ہے۔"

"میں شادی ہی نہیں کروں گی بھابھی۔" پہلی بار اس نے اعلان کیا۔

"تیرے بھائی کو کون سمجھائے۔"

فرقان نے ایک رشتہ ڈھونڈ نکالا۔ عاصی کی عمر زیادہ ہوتی جا رہی تھی۔ اب رشتے ملنے میں بہت مشکل ہوتی تھی۔

عاصی کو ہسٹریائی دورے پڑنے لگے' بکتی جاتی۔ "مجھے شادی نہیں کرنی۔ مجھے بچاؤ۔ مجھے بچاؤ۔"

بچاتا کون۔ جسے بچانا تھا' وہ تو ڈبو رہا تھا۔

فرقان بہت پریشان رہنے لگا۔

"کیا ہوا ہے عاصی کو۔ یہ کیوں کرتی ہے ایسے؟"

"پتا نہیں کیا الٹا سیدھا سوچتی رہتی ہے۔ کوئی آپ کا چچا کا بیٹا تھا۔ اس کی شادی ہو گئی تو کہتی ہے کہ اسے پسند کرتی تھی۔"

"وہ تو چھوٹا تھا عاصی سے۔ لیکن اگر تمہیں بتا دیتی تو میں چچا سے بات کر لیتا۔ اب تو اس کی شادی ہو گئی ہے۔"

"شاید اسی کا روگ پال لیا ہے عاصی نے۔"

"پر شادی تو کرنی ہے نا عاصی کی۔ ویسے ہی اتنی عمر ہو گئی۔"

جب جب کوئی رشتہ آتا' عاصرہ کو دورے پڑنے لگتے۔ اس کی حالت اور سے اور بگڑنے لگی۔ عافیہ

کے ساتھ ڈاکٹر کے پاس بھی بھیجا۔ عافیہ ڈاکٹر کو اپنی من پسند کہانیاں سنا کر دوا لے آتی۔ عاصو وہ دوا کھاتی رہی۔

ساتھ ساتھ چھوٹے موٹے قصے کہانیاں عافیہ اس کے گوش گزار کرتی رہی، کچھ اس لیے بھی زیادہ کہ وہ تیسرے بیٹے کے۔ سات سال بعد پھر سے ماں بنی تھی۔ فیونہ کی ماں۔

عافیہ نے فیونہ کو عاصو کی گود میں دیا۔ "آج سے یہ تمہاری ہے۔"

عاصو نے آج تک لڑکے ہی پالے تھے اور وقت گزرنے کے ساتھ مردوں سے اس کا دل برا ہونے لگا تو وہ جاذب، حماد، احمد سے بھی دور ہونے لگی۔ اس کے ذہن میں یہی خیال آتا کہ ہیں تو یہ بھی مستقبل کے شوہر ہی نا۔ عورت کو جوتی کی نوک پر رکھنے والے۔

پہلی بار لڑکی ملی تو وہ جیسے مکمل ہی ہو گئی۔ اسے اپنی ہم جنسوں سے ہی محبت تھی۔ فیونہ کے لیے اس کی محبت جنون کی حد تک بڑھنے لگی۔

فرقان قطر میں کسی کو دیکھ کر پسند کر چکا تھا۔ رشتہ بھی پکا کر چکا تھا۔

"فرقان نے پھر سے اپنے جیسے کسی شخص کو تمہارے لیے پسند کر لیا ہے۔"

"آپ ان سے کہتیں کیوں نہیں کہ مجھے شادی نہیں کرنی۔"

"میں تو یہی چاہتی ہوں۔ یہ گھر ہے۔ کتنا سکون ہے یہاں۔ نہ کوئی مارنے والا، نہ گالیاں دینے والا، نہ کوئی ذلیل کرنے والا۔ فیونہ تمہارے پاس ہے۔ اچھا کھاتی ہو، پہنتی ہو۔ شوہر کی مار تو نہیں کھانی پڑتی نا۔ لیکن تمہارے بھائی کو تمہارا سکون پیارا نہیں ہے۔"

"بس بھائی سے کہہ دیں بھابھی! مجھے شادی نہیں کرنی۔" وہ اس نومولود بچے کی سی نظر آنے لگتی جو آسمان پر بجلی کی چمک دیکھ کر سہم کر کئی کئی گھنٹے روتا رہتا ہے۔ بجلی پھر چمکتی ہے، وہ پھر سے روتا ہے، کوئی اختیار ہی نہیں۔

"تم خود کہہ دو اپنے بھائی سے۔"

"مجھے بھائی سے ڈر لگتا ہے بھابھی۔"

"ڈرنے کی کیا ضرورت ہے۔ شادی ہو گئی تو روز ڈرو گی۔ ہمت کرو۔ پھر نہ کہنا مجھے۔ سمجھا رہی ہوں اب۔"

جب بھی کوئی ملنے جلنے والا اس کی شادی کی بات کرتا اس کا سارا خون جیسے نچڑ سا جاتا۔ سر چکرانے لگتا۔ اس کا دل دھاڑیں مار مار کر رونے کو چاہتا۔ سوچ سوچ کر وہ ہانپنے لگی۔ باہر بیٹھا فرقان الگ پریشان تھا جو چھ مہینے بعد آتا تھا، وہ پہلے ہی آ گیا۔

بالا ہی بالا اب تیاریاں کرنے لگا۔ شادی کی تاریخ رکھ دی اور نکاح سے ٹھیک ایک ہفتہ پہلے اس نے چوہے مار گولیاں کھا لیں۔ فرقان دم بخود رہ گیا۔ یہ کیا ہو گیا۔ اسپتال میں پاگلوں کی طرح ادھر ادھر بھاگتا رہا۔

اس کی جان بچ گئی۔

اس کی شادی ٹوٹ گئی۔

اس کی عمر بڑھتی گئی۔ وہ فیونہ کی اماں جانی بن گئی۔

اگر تخلیق سے عورت کی تکمیل ہوتی ہے تو اس نے اپنی تکمیل فیونہ سے کر لی۔

عاصو فرقان کی اکلوتی، بس ایک اکلوتی ہی رہ گئی۔

☼ ☼ ☼

عافیہ فیونہ کی اکلوتی ماما عیش پسندی میں گھر گئی۔ عاصو کی ماتمی آوازیں کائنات سے گواہوں کے گواہ اٹھا کر لا رہی ہیں۔

"یہ کیا ہو گیا؟" وہ پوچھ رہی ہیں۔

"یہ جواب ہے۔" وہ بتا رہی ہیں۔

"یہ کیسا عذاب ہے؟" وہ دلیل مانگ رہی ہیں۔

"کس نے کہا یہ عذاب ہے۔ یہ تو بھگتان ہے۔"

فیونہ نے ایک بھی آواز کا جواب نہیں دیا۔ اس نے ایک بار بھی آنکھیں کھول کر دنیا کی رنگینی کو نہیں دیکھا۔ فی الحال وہ آنکھیں موندے پڑی ہے۔

فرقان نے باہر بہت کمایا۔ عافیہ نے نیا بنگلہ لے

لیا۔ چوکیدار اور ڈرائیور بھی آ گئے۔ وہ کام والیاں بھی۔ لیکن فیروزہ کی دیکھ بھال عاصو نے ہی کی۔

عافیہ کے پرس میں پیسوں کی جگہ کریڈٹ کارڈز نے لے لی۔

فیروزہ اسکول آتی جاتی' سوتی جاگتی' کھاتی' کھیلتی' صرف اپنی اماں جانی کے ساتھ۔ اماں جانی اس کے منہ میں نوالے بنا بنا کر رکھتی۔ ایک اسے کھلاتی' ایک خود کھاتی۔

دونوں ایک دوسرے کا دم چھلا بن گئیں۔

عاصو کہتی "سو جاؤ فیروزے!" فیروزہ اگلا سوال نہ کرتی اور جھٹ آنکھیں بند کر لیتی۔ اب قیامت آئے یا طوفان۔ یہ آنکھیں اماں جانی کے کہنے پر ہی کھلیں گی۔

عاصو کہتی "فیروزہ! تمہیں کلاس میں فرسٹ آنا ہے۔" فیروزہ اس وقت تک اپنے ٹیوٹر کی جان نہ چھوڑتی' جب تک فرسٹ آنے جتنا تیار نہ ہو لیتی۔

عاصو اسے اسکول چھوڑنے جاتی' اسکول سے لے کر آتی اور رات کو نہ جانے کون کون سی کہانیاں سنا کر سلاتی۔

لوگ کہتے "فیروزہ تو عاصو کی بیٹی ہے" خود فیروزہ بھی کہتی۔ عافیہ کو اس سے فرق نہیں پڑتا کہ لوگ کیا کہتے ہیں۔ اس نے ایک آرام دہ۔ سکون۔ اپنی مرضی کی زندگی گزاری تھی۔ اسے کوئی ذمہ داری اٹھانی نہیں پڑی تھی کبھی۔ وہ خود کو خوش قسمت سمجھتی تھی۔

اس نے اپنی بہنوں اور دوستوں کو بھی یہی مشورے دیے تھے کہ اپنی نندوں کو اپنی مٹھی میں کرو اور گھر ان کے سپرد کر دو۔ لیکن وہ اس کی طرح اتنی کامیاب نہیں ہو سکی تھیں' ایک تو ان نندوں کی مائیں حیات تھیں' دوسرا وہ عاصو جیسی نہیں تھیں' جس کے لیے ایک بھابھی ہی "سچ مچ" تھی بس۔

تو چاروں بچے عافیہ کے ہی تھے۔ لیکن انہیں پال عاصو نے دیا تھا۔ بیٹے اسے پھوپھو جانی کہتے۔ بیٹی اماں جانی۔ کیا فرق پڑتا تھا۔ پڑا بھی تو وہ صرف 'فرق' نہ رہا۔

کبھی کبھی عافیہ تھوڑا سا چڑ جاتی' جب فیروزہ ہر وقت عاصو کے ساتھ ہی چپکی رہتی۔ خاندان کی کسی تقریب' شادی بیاہ میں چلنے کو کہتے تو وہ جاتی ہی نہ' لیکن اگر عافیہ سختی کرتی تو وہ چلی جاتی' لیکن عاصو کے ساتھ ہی چپکی رہتی۔

عاصو دلہن کے پاس جائے گی تو ہی فیروزہ جائے گی۔

عاصو پھولوں کی پلیٹ لے کر استقبال کے لیے کھڑی ہو گی تو ہی وہ کھڑی ہو گی۔

اور تو اور عاصو لپ اسٹک لگائے گی' بال کھولے گی تو ہی وہ لپ اسٹک لگائے گی' بال کھولے گی۔

اگر وہ عاصو کی ساری باتیں مانتی تھی تو عاصو بھی اس کی مانتی تھی۔ دونوں سوال اور جواب تھیں ایک دوسرے کے لیے۔ فیروزہ اپنی ہم عمر لڑکیوں کے ساتھ تو تھوڑا بہت گھل مل جاتی' لیکن ہم عمر کزن لڑکوں سے بالکل نہیں۔

عافیہ اسے اچھے کالج میں داخل کروانا چاہتی تھی۔ لیکن فیروزہ نے داخلہ نہ لیا۔ کالج کو ایجوکیشن تھا۔ وہ اپنے بھائیوں سے بھی دور بھاگتی' ہر وقت ان سے چڑی رہتی۔

"تم ہو ہی ایسے۔" وہ کزنوں پر طنز کرتی۔

جاذب پڑھنے کے لیے باہر چلا گیا۔ حماد بھی پیچھے ہی چلا گیا۔ احمد سے بات کرنا فیروزہ پسند نہ کرتی' نہ اسے یہ پروا ہوتی کہ جاذب اور حماد اسے فون کیوں نہیں کرتے۔ یا وہ اتنے سالوں سے گھر کیوں نہیں آئے۔

یہ سب باتیں عافیہ نے بہت دیر میں محسوس کیں۔

جب جب۔

اس کی بہن نے اپنے بیٹے کے لیے فیروزہ کا ہاتھ مانگا۔ وہ گھر آئی۔ مٹھائی لائی اور باقاعدہ رشتہ مانگ گئی۔ سالوں سے دونوں بہنوں نے یہی طے کر رکھا تھا۔

سالوں پہلے جو طے کیا تھا۔ سالوں بعد وہ ہو نہ سکا۔ مٹھائی کے ٹوکرے اٹھا کر فیروزہ نے باہر پھینک دیے۔ ایک دھماکا ہوا۔ ایک دور لوٹ کر واپس آیا۔

اختتامیہ ڈرامے کے پردے اٹھائے گئے۔

ابھی شروعاتی تھا۔

"مجھے شادی نہیں کرنی۔" فیروزہ نے حلق کے بل چلا کر کہا۔

آتش فشانی دھماکوں کی ساری کی ساری آوازیں کسی نے عافیہ کے کانوں کے آر پار کر دیں۔ وہ فیروزہ کو دیکھتی ہی رہ گئی۔ اتنی بڑی غلطی اس سے کیسے ہو گئی۔

الف اللہ عاصو نے اسے سکھایا تھا۔

"مرد بُرا" عاصو اسے یہ کیسے نہ سکھاتی؟

وہ عاصو کی استانی تھی۔ عاصو فیروزہ کی استاد کیوں کر نہ بنتی۔ کیوں کر نہ؟

عافیہ کی راتوں کی نیند حرام ہو گئی۔ وہ فیروزہ کو اپنے ساتھ سلاتی' لیکن یونیورسٹی جانے والی لڑکی اب گیلی مٹی نہیں تھی۔ جس پر ایک انگلی سے کچھ بھی لکھ کر مٹا دیا جاتا۔ وہ تو وہ تو۔ اب وہ تحریر بن چکی تھی' جسے گھر کی محراب کی پیشانی پر لگا دیا جاتا۔ یا قبر کے سرہانے پر۔ اب کچھ نہیں ہو سکتا تھا۔

وہ نئے دور کی لڑکی۔ اخبارات' ٹی وی' انٹرنیٹ کے ذریعے دنیا بھر میں ہونے والے مظالم کی زیادہ جانکاری رکھتی تھی۔ اسے سب معلوم تھا کہ ہر سال کتنی عورتیں' شوہروں کے مظالم کے ہاتھوں مر جاتی ہیں یا نفسیاتی مریض بن جاتی ہیں۔ مرد کیسے کیسے عورت کو ٹریٹ کرتا ہے' اسے سب معلوم تھا۔

اور خاص کر اس کی اماں جانی نے شادی نہیں کی تھی تو وہ کیوں کرتی۔

سوچ سوچ کر عافیہ ہڈیوں کا ڈھانچہ بن گئی۔ عاصو کے پاس جائے' اس کے پاؤں پڑے کہ فیروزہ کو سمجھائے۔ یا فیروزہ پر سختی کرے۔ لیکن عاصو کے پاؤں وہ کس طرح پکڑے۔

"مرد بُرا" سکھانے والی زبان۔

"مرد اچھا" کیسے بتائے گی' اب بہت دیر ہو گئی تھی۔ دیر کر دی تھی۔

اسے اس کا ایک ہی حل نظر آیا۔ اپنی بہن کو عافیہ نے ہاں کہہ دی اور دو دن کے اندر "اندر" نکاح کے لیے بلوا لیا۔ وہ بڑی خاموشی اور رازداری سے یہ سب کر رہی تھی۔ فرقان کو بھی سو جھوٹ سچ کہہ کر خاموش رہنے کے لیے کہا تھا اور نکاح سے دو دن پہلے رات کو فیروزہ نے احمد اور عافیہ کی باتیں سن لیں۔ جو وہ نکاح کی تیاری کے سلسلے میں کر رہے تھے۔

اسے یہ سب بھی بعد میں پتا چلا۔ نکاح والے دن صبح سویرے جب وہ اٹھی' ملازم نے کہا۔

"کچن میں تو کہیں چوہے نہیں ہیں' باقی گھر میں بھی کہیں نہیں دیکھے۔ آپ نے دوائی کیوں منگوائی۔" چوکیدار کہہ رہا تھا کہ وہ بتانا بھول گیا کہ اسٹور والے نے کہا تھا کہ جہاں دوا رکھو' وہاں سے ٹھیک چوبیس گھنٹے بعد اٹھا ضرور لینی ہے۔"

رات کے کھانے کے بعد ملازم اس کے پاس آیا۔

"کون سی دوا؟" اس نے مصروف انداز میں پوچھا۔

"چوہے مار دوا۔ جو آپ نے منگوائی تھی گھر کے لیے۔"

آدھی رات کو اسے یاد آیا کہ چوہے والی دوا' چوکیدار' ملازم۔ یہ سب کیا تھا۔ کیا تھا۔ وہ اپنے کمرے سے عاصو کے کمرے کی طرف بھاگی۔

"فیروزہ کہاں ہے؟" آج کل فیروزہ اسی کے ساتھ سو رہی تھی۔

"فیروزے۔ وہ اپنے کمرے میں چلی گئی۔ گیارہ بجے تک تو میرے ساتھ ہی سوتی رہی۔ پھر۔"

"فیروزہ!" عافیہ نے وہیں کھڑے کھڑے چیخ ماری۔

عاصو نے عافیہ کی شکل دیکھی اور انجانے پن سے ہی سہم کر اٹھ کر فیروزہ کے کمرے کی طرف بھاگی۔

عاصو کی دوڑ عافیہ کی دوڑ سے کہیں زیادہ تھی۔

عاصو نے فیروزہ کے کمرے کے دروازے کو دھکا دیا۔

اس دھکے سے عافیہ ڈھیر ہو گئی۔ خاک بوس ہو گئی۔

عاصو کی چیخوں سے فرقان' احمد' ملازم سب آ گئے تھے۔ فیروزہ کو اٹھا کر لے جا رہے تھے۔ عافیہ وہیں ڈھیر بنی پڑی تھی۔ وہ جان چکی تھی' ہونی ہو چکی تھی' موت کا پرندہ زندگی لے اڑا ہے۔

سودا گھاٹے میں گیا ہے۔ بہت گھاٹے میں۔

☆